ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور پاکستان

بانی
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا عبید اللہ انور

میرا شجرۂ نسب

میں ان علمائے حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغ بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ ربّ ذوالجلال کی قسم مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راستبازی سے سوچا ہے۔ وہ شروع سے تماشائی ہیں اور تماشا دیکھنے کے عادی! میں اس سرزمین میں مجدّد الف ثانی رحؒ کا سپاہی ہوں، شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کا تبع ہوں، سید احمد شہیدؒ کی غیرت کا نام لیوا اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی جرأت کا پانی دیوا ہوں میں ان پانچ مقدمہ ہائے سازش میں پابہ زنجیر صلحائے امّت کے لشکر کا ایک خدمت گذار ہوں جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئی تھیں۔ ہاں ہاں میں انہی کی نشانی ہوں، انہی کی صدائے بازگشت ہوں، میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے —— میں علی الاعلان کہتا ہوں میں قاسم نانوتویؒ کا علَم لے کر نکلا ہوں۔ میں نے شیخ الہندؒ کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ میں زندگی بھر اس راہ پر چلتا رہوں گا میرا اس کے سوا کوئی مؤقف نہیں، میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سامراج کی لاش کو کفن یا دفنانا —— ہر شخص اپنا شجرہ نسب ساتھ رکھتا ہے۔ میرا یہی شجرہ نسب ہے میں سر اونچا کر کے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس ہی خاندان کا ایک فرد ہوں۔

—— امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تقریر ۲۳ مارچ ۱۹۲۹ء

۲۹ مارچ ۸۵ء

۲/- روپے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مرتّب :— ندیم احمد القاسمی

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعًا لما جئت بہ ۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی چیزوں کے تابع نہ ہوجائیں ۔

تشریح کامل مومن آدمی اسی وقت جا کر ہو گا جب اس کی طبیعت کی ہر خواہش ، اس کا ہر فعل ، اس کی جملہ نشست و برخاست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ دین کے مطابق ہو جائے اور یہ رتبہ اس وقت حاصل ہو گا جب آدمی کے اندر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ نہایت مستحکم اور مضبوط ہو ۔

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال ماعاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعامًا قطّ ان اشتھاہ اکلہ و ان کرھہ ترکہ ۔

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی کھانے میں کوئی عیب نکالا ۔ اگر پسند ہوا تو تناول فرما لیا ۔ اور اگر ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا ۔

تشریح : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا ۔ لیکن آج کل اکثر گھروں میں آئے دن اس بات پر جھگڑا ہوتا ہے کہ کھانے میں نمک زیادہ کیوں ہے ۔ مرچ کیوں زیادہ ہے جس کی وجہ سے پکانے والے کا دل ٹوٹ جاتا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر دوسروں کی دلجوئی مقصود ہوا کرتی تھی کہ خود تکلیف برداشت کر لیتے تھے لیکن دوسروں کی دل شکنی گوارا نہیں کرتے تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے ہر موڑ پر مشعل راہ ہے ۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنے ہر امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کو سامنے رکھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے ۔

عن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بلعق الاصابع والصحفۃ وقال انکم لا تدرون فی

(باقی ۴ پر)

نقطۂ نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

جلد ۳۰ شمارہ ۳۹

رئیس الادارہ
حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ

مجلس ادارت
مولانا محمد اجمل قادری
عبدالرشید انصاری
ظہیر میر ایڈووکیٹ
انتظار حسین اسعد قادری

فی کاپی : -/۲ روپے

پاکستان میں بذریعہ ——— ڈاک
سالانہ ۵۲ شمارے -/۸۰ روپے
ششماہی ۲۶ شمارے -/۴۵ روپے

۷ رجب المرجب ۱۴۰۵ھ

روس کے نئے سربراہ کی مبیّنہ دھمکی

روس کے صدر آنجہانی چرننکو کی وفات کے بعد جناب میخائل گورباچوف نے روس کی قیادت سنبھال لی ہے اور آنجہانی چرننکو کی آخری رسومات کے موقع پر روس آتے ہوئے مختلف ممالک کے سربراہوں سے ان کی ملاقات کے حوالہ سے ان کی شخصیت اور عزائم کے بارے میں کافی باتیں سامنے آئی ہیں ۔

پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے بھی اس موقع پر ان سے ملاقات کی ہے — اور ملاقات کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ روس کے نئے سربراہ ایک متحرک اور صاف ذہن کے راہ نما ہیں اور وہ روسی قیادت میں ایک نئے اندازِ فکر اور رجحان کے مظہر ثابت ہوں گے ۔

لیکن مغربی پریس میں مسٹر گورباچوف سے صدر ضیاء کی ملاقات کے حوالہ سے جو خبریں سامنے آئی ہیں وہ کچھ اور نقشہ پیش کر رہی ہیں ۔ ان خبروں کے مطابق صدر گورباچوف نے صدر ضیاء کو دھمکی دی ہے کہ اگر پاکستان کے علاقہ سے

ناشر: مولانا عبیداللہ انور • مقام: اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور • مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

افغانستان میں مداخلت کا سلسلہ بند نہ ہوا تو پاکستان کے ساتھ روس کے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔

اس بارے میں صحیح صورتِ حال کی وضاحت تو صدر ضیاء الحق ہی کر سکتے ہیں لیکن اگر فی الواقع یہ درست ہے تو یہ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

افغانستان میں روس کے عزائم کسی سے ڈھکے چھپے نہیں اور یہ بات واضح ہے کہ افغانستان میں اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے بعد یہ عالمی طاقت جنوبی ایشیا کے دیگر ممالک بالخصوص تیل کے چشموں کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتی ہے لیکن افغانستان کے بہادر اور غیّور حریت پسندوں کی مسلسل جرأت مندانہ مزاحمت اس خطّہ پر روسی قبضہ کے استحکام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ افغان عوام کی مزاحمتی جدو جہد اپنے وطن کی آزادی کے ساتھ ساتھ نظریاتی امتیاز اور دینی تشخص کے تحفظ کی جنگ ہے جسے وہ بے سرو سامانی کے عالم میں محض اپنے جذبہ اور ایمان کی قوّت سے لڑ رہے ہیں۔

ہم مسٹر گورباچوف سے یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ وہ افغان عوام کی مسلسل جاری رہنے والی مزاحمت کے پس منظر میں پاکستان کو تلاش کرنے کی بجائے افغان عوام کے ایمان اور جذبہ حریت کو پہچاننے کی کوشش کریں اور اگر ایمان کی بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہے تو جذبۂ حریّت کو دیکھنے میں زیادہ دُور جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ جذبہ وہی ہے جس کے ہاتھوں ویت نام میں ایک سپر طاقت ماضی قریب میں شکست سے دوچار ہوئی ہے اور اگر دوسری سپر طاقت نے بھی عوام کے جذبۂ حریّت کو پہچاننے کی کوشش نہ کی تو اسے بھی افغانستان میں بالآخر اس انجام سے دوچار ہونا پڑے گا جس سے امریکہ ویت نام میں دوچار ہو چکا ہے۔

بقیہ : احادیث الرسولؐ

ایۃ البرکۃ۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگلیوں اور پیالوں کو چاٹنے اور صاف کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ تمہیں نہیں معلوم کہ کس نوالے میں برکت ہے۔

تشریح ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز اگر آدمی یہ سوچ کر عمل میں لاتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے تو اس پر ثواب کا مرتّب ہونا ضروری ہے شرط یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

شرط یہ ہے کہ آدمی کے اندر خلوص ہو اور سنن نبوی علیہ السلام کی عزت اور احترام ہر امر میں ملحوظ ہو۔ الخ۔

بقیہ : صدیق اکبرؓ

ہو رہی تھیں اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نام پوچھا تو صدیق اکبرؓ نے عرض کیا میں ابوبکرؓ ہوں۔ فرمایا عجیب بات ہے ابھی تو آپ بیمار تھے اور اتنے میں آپ شفایاب ہوگئے تو



خوش قسمت اہلِ ایمان کون ہیں؟

حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اپنا لو،

پھر ساری دنیا تمہاری ہے

امام الہدیٰ وارث اسلاف مرشد حق حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہٗ کے ارشادات

بعد از حمد و صلوٰۃ۔

حضور نبی مکرم شافع روز محشر سرور کائنات علیہ التحیۃ والثنا کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جنہیں "حبرِ اُمت" اور "ترجمان القرآن" جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ چھوٹی عمر میں ان کی سعادتمندی کے سبب حضور علیہ السلام نے انہیں دعائے خیر و برکت سے نوازا۔ پس نبیؐ کی دعا ایسی قبول ہوئی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قرآنی تفسیر میں سند و اتھارٹی قرار پائے ـــــ ان سے ایک روایت منقول ہے کہ سفر کے دوران ایک صبح آپؐ نے پانی معلوم کیا تو اتفاق سے پانی نہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا کسی کے پاس پیالہ یا چھوٹی مشک ہو تو لے آؤ۔ برتن جو لایا گیا تو آپؐ نے اس میں اپنی انگلیاں ڈالیں، پھر کیا تھا اس طرح پانی کے چشمے ابلنے لگے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے! اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پانی کے لئے پریشان ہوئی تو عصا کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر پر مارا بارہ چشمے پیدا ہو گئے کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا لوگوں سے کہیں کہ وضو کر لیں چنانچہ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے، وضو کرتے۔ جب سب حضرات نے وضو کر لیا تو آپؐ نے صبح کی نماز پڑھائی لوگ بیٹھ گئے تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور سوال کیا کہ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے کہ سب سے زیادہ عجیب و غریب ایمان کس کا ہے؟ ایمان کے اعتبار سے خوش قسمت ترین افراد کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا فرشتے! صحابہؓ کا خیال یہ تھا کہ وہ معصوم ہیں، پاک ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، انہیں حریم کبریا کا قُرب حاصل ہے وُہ یقیناً بڑے خوش قسمت

ہوں گے۔ اور ہیں بھی، اس میں شک نہیں لیکن سرکارؐ کا مدعا اور تھا۔ اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ بھائی! فرشتوں کا ایمان تو کوئی اتنی تعجب کی بات نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے معاملات کا مشاہدہ کرتے ہیں صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوگا۔ اور اپنے طور پر بات بھی صحیح ہے۔ ان حضرات سے بڑھ کر خدا کا اس دنیا میں مقبول و محبوب کون ہے؟ جن پر وحی نازل ہوتی ہے، جن کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغام آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے ھادی و رہنما ہیں۔ ان سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہے۔؟ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ میاں! ان پر تو آسمان سے وحی آتی ہے' وہ بھلا کیسے ایمان نہ لائیں، تب حاضرین نے عرض کیا پھر آپ کے صحابہؓ کو یہ مقام رفیع حاصل ہوگا اور ان حضرات کا یہ کہنا بھی صحیح تھا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرکارؐ کی خدمت و رفاقت کے لئے چنے گئے اور ان حضرات کو بڑی عزت و سعادت نصیب ہوئی لیکن آپؐ نے فرمایا کہ یہ بھی نہیں کیونکہ انہوں نے مجھے تو دیکھا، میری رفاقت و معیت حاصل کی، مجھ سے براہ راست دین سیکھا —— اب ظاہر ہے صحابہ علیہم الرضوان کو تعجب ہوا کہ نہ فرشتے نہ انبیاء نہ صحابہ تو پھر کون ہے جو خوش قسمت ہے اور جس کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے۔ اس تعجب کو آپ نے خود دور کیا اور فرمایا کہ وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے، مجھے نہ دیکھنے کے باوجود مجھ پر ایمان لائیں گے میرے دیدار کے بغیر میری تصدیق کریں گے۔ ان کا ایمان تعجب کا باعث ہے اور یہ لوگ میرے بھائی ہیں۔

حضرات محترم! انبیاء وصحابہ اور فرشتوں کی قدر و منزلت، ان کا مقام رفیع اپنی جگہ مسلّم —— لیکن جنہوں نے حضور علیہ السلام کو نہیں دیکھا، جنہوں نے نزول وحی کا مشاہدہ نہیں کیا لیکن انہیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی —— ان کی خوش قسمتی کا کیا کہنا؟ خود حضور علیہ السلام ان کے ایمان کی تعریف کر رہے ہیں۔ انہیں سراہ رہے ہیں۔

آپ حضرات محسوس کریں کہ زمانہ نبوت سے بُعد کے باوجود آپ یہ عزتیں، یہ کامرانیاں اور یہ سعادتیں حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ سرکارؐ کے صحیح غلام اور امتی بن جائیں ہمارے بزرگوں نے ساری عمر اسی کی تبلیغ کی اسی کے لئے محنت کی کہ محمدؐ کریم علیہ السلام کے غلام بن جاؤ ہم بھی ان حضرات کی مسند پر بیٹھ کر یہی عرض کریں گے کہ غفلت کی زندگی چھوڑ دیں اللہ سے لو لگا لیں، پیارے اور کریم نبیؐ کی شریعت اور آپ کا اسوہ اپنا لیں پھر یہ ساری دنیا آپ کی ہے اور یہ دلدر خود بخود ختم ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ حسن عمل سے نوازے۔

واخر دعوانا ان الحمد رب العالمین!

تعجّب ہے

○ ایسے شخص پر جسے اپنی موت کا یقین ہے پھر بھی وہ ہنستا ہے۔

○ ایسے شخص پر جسے حساب پر یقین ہے پھر بھی وہ ناجائز طریقہ سے مال جمع کرتا ہے۔

○ ایسے شخص پر جسے جہنم کی خبر ہے پھر بھی وہ سویا ہوا ہے۔

(ندیم احمد القاسمی)



اسلام، مذہب ہدایت

یورپ میں تمام قوانین نفسانی خواہشات کے سانچے میں ڈھال کر بنائے جاتے ہیں

کائناتِ انسانی کی زندگی کا سرچشمہ خدا کی ذات اقدس ہے

انسانوں کی سلامتی کا سرچشمہ مذہب اسلام ہے۔

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد الحمد والصلوٰۃ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ -

اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو خدا کا قانون چھوڑ دے اور اپنی خواہشات کے مطابق خود قانون بنا کر اُن پر چلنا شروع کر دے جو بھی قوم ایسا کرے گی، وہ ظالم ہے وہ کبھی اپنی مراد کو نہیں پہنچے گی۔

برادرانِ اسلام! تاریخ میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ جب بھی کسی قوم نے قانون الٰہی کے بجائے اپنے خود ساختہ قوانین کی پیروی کی ہے وہ تباہ و برباد ہونے سے نہیں بچی۔ مگر آج آپ کو تاریخ کے اوراق الٹنے کی ضرورت نہیں۔ آج خود اہل یورپ آپ کے سامنے برباد ہو رہے ہیں۔ اور ان سے زیادہ ابتلاء کا اہل اسلام شکار ہیں۔ شاید آپ نے آج تک مَنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ کا مطلب پوری طرح نہیں سمجھا۔

اتباعِ ہوا یہ ہے کہ انسانی جماعت اپنے ذاتی فائدہ کے مطابق خود قانون بنائے اور ان پر چلے۔ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ وہ قانون سازی کے وقت اُن اصولوں اور حدوں کا لحاظ نہ کرے جو اللہ نے طے کر دی ہیں — اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ جو قومیں دنیا کا انتظام قائم رکھنے کے لیے خدائی اصولوں کو نظرانداز کر کے اپنے خود ساختہ قوانین پر بھروسہ کریں گی وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گی۔

عزیزانِ ملّت! آپ غور فرمائیے۔ آج سے چند سال پہلے آپ کو اہل یورپ کے علم و عقل پر کس قدر بھروسہ تھا؟ یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بعض بھائیوں کو اپنے دینی اصولوں پر اس قدر بھروسہ نہیں تھا جس قدر یورپین قوانین پر بھروسہ تھا۔ صرف پاکستانی مسلمان ہی اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ قریباً تمام کی تمام اسلامی

حکومتوں نے بھی اسلامی قوانین کو نظر انداز کرکے اپنے ملکی قوانین کو جرمنی، اٹلی، فرانس، روس اور سوئٹزرلینڈ کے بنائے قوانین کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ ہم یورپین قوانین کی صرف ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ رہے تھے مگر ان باطنی فسادوں اور اندرونی بیماریوں سے غافل تھے جو ان قوانین کی پیروی کے بعد اہل یورپ میں پیدا ہو رہی تھیں۔ یورپی قوانین کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کافر کی قبر۔ اس قبر کے اوپر نہایت عجیب عمارت بنی ہوتی ہے، صفائی ہوتی ہے، گملے رکھے ہوتے ہیں اور پھول کھلے ہوتے ہیں، مگر قبر کے اندر عذابِ الٰہی کی بھٹیاں سلگ رہی ہوتی ہیں یا تہذیب یورپ کی مثال ایک طاقتور زہریلی دوا کی ہے۔ ایک بیمار جب اس دوا کو کھاتا ہے تو اس کا خون حرکت میں آجاتا ہے، طاقت قائم ہو جاتی ہے اور چہرہ سرخ وسفید نظر آنے لگتا ہے۔ مگر تھوڑے ہی دن بعد جب اس کے جسم کے بہترین مادے زہر کے اثر سے جل جاتے ہیں تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ جس عارضی جوش و طاقت کو وہ تندرستی سمجھتا تھا وہ تندرستی نہیں ہے بلکہ موت کا پیغام ہے۔ یورپ کے قوانین چونکہ اصولی طور پر خواہشاتِ عوام کے مطابق بنائے جاتے ہیں اس واسطے اُن کی پیروی سے دنیا کو نفس پرستی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ زہریلی دوا کی طرح اب یورپ کے عارضی جاہ و جلال کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور وہی مادی طاقت جس پر کبھی اس کو ناز تھا اب اس کی زندگی، تہذیب، دولت اور صنعت و تجارت کو برباد کر رہی ہے؟

اے برادرانِ اسلام! یہ بربادی بےسبب نہیں ہے۔ اس بربادی کی تہ میں کوئی اصولی نقص ہے یعنی اہل یورپ کا اپنی عقل کو خدا کی ہدایت پر مقدم کر لینا۔ دیکھو، آج تمام یورپ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ کی تصویر بنا ہوا ہے وہ خود بھی مر رہا ہے اور اس پوری انسانیت کو بھی جو اس کے زیر سایہ آباد تھی، اپنے ساتھ برباد کر رہا ہے۔ ع

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

عزیزانِ اسلام! اب سوال یہ ہے موجودہ انسانیت، مصیبت کے اس چکر سے کیونکر نکل سکتی ہے؟ آپ نے سنا ہوگا، کہ دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتوں برطانیہ اور امریکہ کے دو سب سے بڑے لیڈر چرچل اور روزولٹ مشورہ کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ان دونوں نے مل کر دنیا کے سامنے آٹھ اصول پیش کئے تھے جن پر آئندہ دنیا کا نظم و نسق چلایا جائیگا پہلا اصول یہ ہے کہ جنگ فتح کرنے کے بعد امریکہ اور برطانیہ اپنی اپنی سلطنت میں کوئی نیا علاقہ شامل نہیں کریں گے، دوسرے یہ کہ کسی بھی ملک میں کوئی ایسی تبدیلی نہ کی جائے گی جو اس ملک کے باشندوں کی رائے کے خلاف ہو۔ تیسرے یہ کہ جن ملکوں کو جبراً غلام بنا لیا گیا ہے انہیں دوبارہ آزاد کر دیا جائے گا اور وہاں ایسا طرزِ حکومت رائج کیا جائے گا جو باشندوں کی رائے کے مطابق ہو۔ چوتھے یہ کہ امریکہ اور برطانیہ اپنی موجودہ ذمہ داریوں کا لحاظ

رکھتے ہوئے تمام چھوٹی بڑی حکومتوں کو تجارتی اور مالی برابری کا درجہ دیں گے۔ پانچویں یہ کہ تمام ملکوں کے درمیان اقتصادی اور مجلسی تعاون کی راہیں کھولی جائیں گی۔ چھٹے یہ کہ مکمل فتح اور تمام اقوام کی مکمل حفاظت و آزادی کے بغیر مخالفوں سے صلح نہیں کی جائے گی۔ ساتویں یہ کہ ایسی پُرامن فضا میں سب قوموں کی آمد و رفت کے لیے سمندری راستے کھول دیے جائیں گے۔ آٹھویں یہ کہ ہتھیار بندی کو اس حد تک گھٹایا جائے گا کہ امن پسند قومیں جنگی ہتھیاروں کے بوجھ اور دباؤ سے سبکدوش ہو جائیں۔

یہ ہیں وہ آٹھ اصول جو برطانیہ اور امریکہ نے دنیا کے سامنے پیش کئے تھے۔ لیکن ان پر عمل کس نے کیا؟ یورپ اور امریکہ اور اب روس اور دوسری نام نہاد بڑی طاقتیں اسی طرح انسانیت کی تذلیل کر رہی ہیں اور انہیں ذرہ برابر اپنے بھی اصولوں کا پاس و لحاظ نہیں۔

آگے چل کر معلوم ہوگیا کہ یہ آٹھ اصول دنیا کی مشکلات کا صحیح حل نہیں ہیں۔ پھر ۱۴ اگست ۱۹۴۱ء کو چرچل اور روزویلٹ نے یہ اعلان کیا کہ "ہر ملک کو آزاد کیا جائے گا اور کسی ملک پر اس کے باشندوں کی رائے کے خلاف کوئی حکومت قائم نہیں کی جائیگی"۔ مگر اس کے چند ہی روز بعد انہی چرچل صاحب نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارے امریکہ والے اعلان کا برطانوی مقبوضات اور ہندوستان پر کوئی اثر نہ ہوگا اُن کے ساتھ ہم اپنے پہلے وعدوں اور ذمہ داریوں کے مطابق سلوک کریں گے"۔

دیکھ لیا آپ نے آٹھ اصولوں کا نتیجہ؟ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں ذلیل و رسوا کیا اور برصغیر کے عوام بالخصوص مسلمانوں کو حصولِ آزادی کی خاطر توفیق بخشی اور جونہی برصغیر آزاد ہوا تو ہمارے بزرگوں کے کہنے کے مطابق ساری دنیا میں آزادی کی رو چل پڑی۔ اور وہ برطانیہ جس کے حدود مملکت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا ایک جزیرہ میں تبدیل ہو گیا۔

پہلے اعلان نے جو اطمینان کی فضا پیدا کی تھی دوسرے نے اسے زخمی کر دیا ہے — آپ پوچھیں گے ایسا کیوں ہوتا ہے؟ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ اہل یورپ کا دل پاک نہیں ہے، چونکہ یورپ کے تمام قوانین ہر ایک قوم کی نفسانی خواہشات کے میں ڈھل کر بنائے جاتے ہیں اس واسطے یورپ میں ہر جگہ وطنی نفس پرستی اور قومی خود غرضی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ آپ یورپین تہذیب کے کتنے بھی مداح کیوں نہ ہوں آج آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب تک اہل یورپ کے دل وطنی اور قومی تعصب کے شرک سے پاک نہیں ہوتے، یورپ کی سرزمین فتنہ و فساد کے طوفانوں سے کبھی پاک نہیں ہوگی۔ یہ در اصل اہل یورپ کے دلوں کی آگ ہے جو آتشگیر بم بن کر اہل یورپ کو بھسم کر رہی ہے۔

عزیزانِ اسلام! جس طرح اس کائنات انسانی کی زندگی کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے، اسی طرح انسانوں کی سلامتی کا چشمہ اسلام ہے۔ اسلام کا مطلب ہی یہ ہے، دنیا میں امن و سلامتی پیدا کرنے والے قوانین۔ ایسے قوانین جو ہر انسان کو اس

کا واجبی حق دیتے ہیں۔ عورت کو اس کا حق، مرد کو اس کا حق، بیوہ اور یتیم کو اس کا حق اور پڑوسی کو اس کا حق۔

روایت ہے کہ ایک دن حضرت سلمانؓ حضرت ابودرداءؓ کے گھر تشریف لے گئے، اور دیکھا کہ ان کی بیوی نہایت خراب حالت میں پڑی ہے۔ حضرت سلمانؓ نے پوچھا "اے بہن! تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟" وہ فرمانے لگیں۔ "اے سلمانؓ! تمہارے بھائی ابودرداءؓ کا عجیب حال ہے، وہ دن رات عبادت میں مست رہتے ہیں اور انہیں دنیاداری کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔"

جب رات ہوئی تو حضرت ابودرداءؓ نماز پر کھڑے ہونے لگے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا ابھی سوئے رہو۔ تھوڑی دیر میں حضرت ابودرداءؓ پھر اٹھے تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا، اے ابودرداءؓ! ابھی سوئے رہو۔ جب اخیر رات ہوئی تو حضرت سلمانؓ نے کہا اب اٹھو اور ساتھ ہی فرمایا۔ اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَاَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ

اے ابودرداءؓ! تیرے پروردگار کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے اہل و عیال کا بھی تجھ پر حق ہے تم سچے مسلمان اسی وقت ہو سکتے ہو جبکہ تم ہر ایک حق دار کا پورا حق ادا کرو۔

اے برادرانِ اسلام! اسلام کیا ہے؟ انسانی حقوق کی منصفانہ تقسیم۔ خدا تعالےٰ نے خود اپنے کلام میں انسانوں کے لیے یہ تقسیم مکمل کر دی ہے۔ جب تک فرزندانِ آدم اس تقسیم پر رضامند نہیں ہوں گے دنیا میں کبھی امن نہیں ہوگا۔

بقیہ: صدیق اکبرؓ

ہے اور اس کی خدمت کر دیتا ہے۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں ایک رات ایک کونے میں چھپ کر کھڑا ہوگیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی آیا اور بوڑھی اماں کی خدمت میں مشغول ہوگیا۔ جب خدمت سے فارغ ہوا میں نے تجسس سے دیکھا تو وہ عظیم اور مشفق انسان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

بیت المال سے مقررشدہ وظیفہ میں حد درجہ احتیاط کرتے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی بیوی نے فرمائش کی کہ کچھ شیرینی لادو۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، شیرینی کیسے خریدوں؟ بیوی نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو روزمرّہ خرچہ سے کچھ دام بچالیا کروں تاکہ آپ بازار سے شیرینی لاسکیں۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ کچھ دن بعد آپ کی بیوی نے جمع شدہ رقم حضرت ابوبکر صدّیق کے حوالے کردی تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ پس انداز رقم جو آپ نے جمع کرلی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمارے خرچہ سے زائد ہے اور یہ کہہ کر وہ رقم آپ نے بیت المال میں جمع کردی اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کردیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا سب کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر اپنے اونٹ پر سوار ہوکر نکیل ہاتھ سے گرپڑتی تو خود اُتر کر نکیل اٹھا لیتے اور کسی سے مدد نہیں مانگتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں نے ان سے عرض کی کہ آپ ہم کو کیوں حکم نہیں دیتے تو آپؓ نے فرمایا: انّ حبیبی صلی اللہ علیہ والہ وسلّم اوصانی ان لا اسئل الناس شیئًا۔

ترجمہ: مجھے میرے محبوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے کہ میں کسی انسان سے دست نگری نہ کروں۔

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ

از: مولانا رحمت علی سواتی
دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس ٭ صدّیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

آپ کا اسم گرامی عبداللہ اور لقب صدّیقؓ اور عتیقؓ ہے۔ کنیّت ابوبکرؓ ہے۔ سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کے والد کا نام عثمان بن عامر اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت سخر تھا۔ امام صدق خلافتِ راشدہ کے نقشِ اوّل خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ قبولِ اسلام سے پہلے وہ عرب کے بڑے تاجروں میں شمار ہوتے تھے۔ قبول اسلام کے وقت مالی سرمایہ چالیس ہزار درہم تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے سارے کا سارا مال اسلام کے لیے خرچ کردیا۔ جب حضرت صدیق اکبرؓ مکّہ معظّمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منوّرہ کو تشریف لے آئے تو ان کے پاس صرف پانچ ہزار درہم باقی تھے۔ ہجرت کے بعد آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا اور صبح کے وقت روزانہ چادریں اپنے کندھوں پر ڈال کر بازار جاتے اور خرید و فروخت کا کام کرتے۔ ایامِ خلافت میں بھی آپ نے تجارت کو جاری رکھا۔ خلافت میں چھ مہینے تک تجارت کا کام کیا لیکن جب امورِ خلافت کی ذمّہ داریاں کثیر معلوم ہوئیں اور آپ کے لیے تجارت کا وقت نکالنا مشکل ہوگیا تو اصحابؓ رسولؐ نے مل کر آپ کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرّر کرنا چاہا تو آپ بڑی مشکل سے بقدر کفالت پر راضی ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلافت سے پہلے سنح مقام میں رہتے تھے۔ وہاں سنح میں آپ کا ایک چھوٹا سا خیمہ تھا جہاں آپؓ کی اہلیہ حضرت حبیبہ بنت خارجہؓ بھی رہتی تھیں۔ آپ زمانہ خلافت میں چھ ماہ تک سنح میں رہے۔ روزانہ صبح سنح سے کبھی پیدل اور کبھی اپنے ذاتی گھوڑے پر سوار ہوکر آتے اور امورِ خلافت انجام دیتے تھے۔ چھ ماہ کے بعد آپ نے سنح کی سکونت ترک کرکے مدینہ منوّرہ میں مسجد نبویؐ کے متّصل سکونت اختیار کرلی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نہایت مشفق و مہربان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رات کے وقت گلیوں اور کوچوں میں پھرتے تاکہ لوگوں کی ضروریات معلوم کریں اور ممکن حد تک تعاون کریں۔ مدینہ منوّرہ کے باہر کنارہ پر ایک بوڑھی رہتی تھی۔ آنکھوں سے اندھی تھی۔ امام عدل خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں ہر رات وہاں جایا کرتا تاکہ میں اس بوڑھی کی خدمت کروں۔ لیکن جب میں وہاں پہنچتا تو معلوم ہوتا کہ کوئی آدمی آتا

(باقی ۱۰ پر)

از: انتظار حسین اسعد قادری

سیّدنا حضرت صدّیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
انّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔

محترم حضرات! ہمارے عقیدے میں جس طرح اسلام افضل المذاہب ہے، قرآن افضل الکتب ہے، جمعہ افضل الایام ہے لیلۃ القدر افضل اللیالی ہے، حبیب کبریا افضل الانبیاء والمرسلین ہیں اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں اور وہ اس لئے کہ شمس نبوت نے جب ضیا پاشی فرمائی تو پہلی کرن صدیق اکبرؓ پر پڑی اور ایسی پڑی کہ کندن بنا دیا، اپنایا تو ایسا اپنایا کہ آج تک جُدا نہ ہو سکا اور نہ کیا جا سکا۔

اپنے محبوبؐ کی حفاظت کے لئے ہجرت کے موقع پر دشمنوں کی یلغار میں اگر اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا تو صدیق اکبرؓ کا۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار ہیں آپ سے ایمانی تعلق رکھنے والے سب کے سب صاحب الرسول ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے صاحب الرسول کی تصریح بغیر صدیق اکبرؓ کے کسی کے لئے نہیں فرمائی۔ اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا۔ ع
”دیکھے نہ کور چشم تو اپنا قصور ہے،،

اسی طرح اگر صدیق اکبرؓ کو فرقتِ رسولؐ کی فکر دامنگیر ہوتی ہے تو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیری غار میں اپنے محبِ صادق کی گود میں سر رکھ کر لاَ تحزَن فرما کر تسلی دیتے ہیں اور مالک حقیقی کو یہ الفاظ اس قدر پیارے لگے کہ اس مخفی گفتگو کو کلام قدیم کا جامہ پہنا کر اپنے حبیبؐ کے قلب اطہر پر نازل فرما دیا۔
لاتحزن انّ اللہ معنا۔
واقعہ ہجرت کے متعلق اذ یقول لصاحبہ لاتحزن انّ اللہ معنا۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے صدیق اکبرؓ کے وجود کو سراپا نصرت فرمایا یعنی حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر سراپا نبوّت ہیں تو صدیق اکبرؓ سراپا نصرت ہیں۔ حضورؐ کی زندگی

لوگ کہتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ خود گئے تھے، جاسوسی کی خاطر گئے تھے، بن بلائے گئے تھے لیکن میرا دعویٰ ہے کہ شب ہجرت افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو عرش بریں پر بھی گئے تھے تو بن بلائے نہیں گئے تھے مگر ان کو عاشق صادق کے عشق و جاذبیت نے اس قدر مجبور کر دیا کہ صدیق اکبرؓ کے دروازے پر آئے اور بن بلائے آئے۔ اور زہے صدیق اکبرؓ! وہ اس وقت تک نہیں گئے جب تک بلانے والا دروازے پر آیا نہیں۔

محترم حضرات! راتیں دو ہیں ایک معراج کی رات اور دوسری ہجرت کی رات۔ معراج کی رات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق بنا وہ ملائک کا سردار تھا اور ہجرت کی رات جسے شرفِ رفاقت نصیب ہوا وہ صحابہؓ کا سردار تھا۔ معراج کی رات رفیقِ نبوّت کو حکم ہوتا ہے کہ صاحبِ نبوّت کو بلا کر لے آؤ۔ اور ہجرت کی رات صاحبِ نبوّت کو یہ حکم ہوتا ہے کہ رفیقِ نبوّت کو بلا کر لے جاؤ۔ معراج کی رات جبرائیل امین نے سواری پیش کی اور شبِ ہجرت صدیق اکبرؓ نے اپنی جان پیش کی، معراج کا رفیق منزلِ مقصود تک نہ جا سکا راستے میں ٹھہر گیا لیکن ہجرت کے رفیق نے نہ غار میں چھوڑا نہ مزار میں اور نہ مقام ابرار (خلد بریں) میں

> حضورؐ کی محبت
> کی راہ میں مجھے
> ساری عمر عذاب
> دیا جائے تو مجھے
> عیش و عشرت
> سے زیادہ پسند
> ہے

(جیسا کہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصریح ہے) رفیقِ نبوت اور صاحب نبوّت کے درمیان شب معراج میں ہم کلامی اور راز و نیاز کی باتوں کے تذکرہ سے قرآن مجید خالی ہے لیکن ہجرت کے رفیق کے اسرار و معارف کا تذکرہ اللہ تعالےٰ نے واضح لفظوں میں کر دیا۔ ایام طفولیت میں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس سواری پر سوار ہوئے وہ سب سواریوں سے آگے نکل گئی۔ اسی طرح ہجرت کی شب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کے کندھوں پر قدم رکھا تو رتبے میں سب صحابہؓ سے آگے نکل گئے۔ خیبر کو بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا علی المرتضیٰ کی آنکھ پر لعاب لگایا تو شفا ہوئی اور ہجرت کے موقع پر لعاب دہن سیّدنا صدیق اکبرؓ کے پاؤں پر لگایا تو شفا ہوئی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابوبکر صدیقؓ کو ذات السلاسل کے غزوہ پر سردار بنا کر بھیجا تو میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ آپؐ کو لوگوں میں سے کون زیادہ عزیز اور محبوب ہے فرمایا عائشہؓ۔ قلت من الرجال قال ابوھا (ابوبکر صدیقؓ)

غور فرمائیے کلام محبوبیت میں نہیں ہے کلام محبوب ترین ہونے میں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ کے نزدیک محبوب ترین ذات حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو محبوب کریمؐ کے نزدیک محبوب ترین ہستی صدیق اکبرؓ کی ہے۔

حضرات گرامی! تفسیر حسن عسکری میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا تو رب جلیل کے ارشاد پر صدیق اکبرؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ارضیت ان تکون معی یا ابا بکر! اے ابوبکرؓ! کیا تو میرے ساتھ چلنے پر راضی ہے، سوچ لے قسم قسم کی تکالیف آئیں گی۔ ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اگر آپ کی محبت کی راہ میں مجھے ساری عمر عذاب دیا جائے تو مجھے عیش و عشرت سے زیادہ پسند ہے: میں تو کیا میرا مال میری اولاد بھی آپ پر فدا ہے ؎

پروانے کو چراغ بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

رمز شناس کا مقام دیکھئے کہ الیوم اکملت لکم دینکم والی آیت نازل ہوئی۔ صحابہ کرامؓ شادماں ہوئے ایک دوسرے کی

میں تو کیا
میرا مال
میری اولاد
بھی آپ پر
فدا ہے۔

خدمت میں مبارکبادی کے ہدایا پیش کئے۔ اتنے میں حضرت علیؓ نے مسجد کے ایک کونے میں

پروانے کو چراغ بُلبُل کو پھُول بس
صدّیق کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

ایک شخص کے رونے کی آواز سنی۔ آپؓ نے بنظرِ حیرت و استعجاب دریافت کیا۔ اے رونے والے! تو بے موقع کیوں رو رہا ہے؟ سر سے کپڑا اٹھایا تو دیکھا کہ یہ رونے والے حضرت صدیق اکبرؓ تھے۔ رونے کی وجہ دریافت کی اور حیرت کا اظہار کیا۔ صدیق اکبرؓ نے جواب دیا۔ کہ اے علیؓ! تم تو تکمیل دین پر خوشیاں منا رہے ہو، اور میں اس پر غمگین ہو رہا ہوں۔ کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کام کے لئے تشریف لائے تھے وہ ہو چکا اب مجھے اس آیت میں حضورؐ کی وفات اور جدائی معلوم ہو رہی ہے اور میں فرقت نبوّت کے غم کی وجہ سے رو رہا ہوں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صدیق اکبرؓ کو بحالت بیماری پایا اور اس کی اطلاع سیّدہ عائشہؓ کو دی۔ صدیقہؓ غمگین

(باقی ۴۲ پر)

اگر مَیں پاکستان کا وزیر اعظم ہوتا

از ڈاکٹر لال دین صاحب اخگر ایم اے بی ایچ ڈی شیخوپورہ

(قسط اوّل)

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ابھی جنّت میں ستر عورت کے لئے پتوں کی تلاش کر ہی رہے تھے کہ خدائے وہّاب و توّاب نے ان کو خلعتِ نبوّت و خلافت پہنا کر عالمِ ناسوت میں لا آباد کیا۔ پیغمبر علیہ السلام کی آمد کے ساتھ ہی منشائے الٰہی کا اعلان اور حدود اللہ کی وضاحت ضروری تھی۔ لہٰذا قرآن عزیز سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس وقت سے لے کر بعثت پیغمبر آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) تک کائنات کی مختلف بستیوں میں ہادیانِ برحق تشریف لاتے رہے لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ اور اولادِ آدمؑ کو منشائے پروردگار سے آگاہ کرتے رہے۔ بالفاظ دیگر اسلام ہر زمانے میں منظر عام پر لایا گیا اور اس وقت کے ذی ہوش انسانوں نے اس کی تمام خوبیوں کی دل و جان سے تصدیق کی۔

یاد رہے اسلام کا یہ دعوےٰ بھی سراسر حقائق پر مبنی ہے کہ اس کے اندر نوعِ بشر کی فلاح اخروی و دنیوی کے واضح واضح قوانین موجود ہیں لہٰذا دنیا والوں کا ہر قانون جو اسلامی تصورات کے مخالف ہے قابلِ عمل نہیں۔ ؎

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
رہبر ہو۔ ظن و تخمین تو زبوں کارِ حیات
(اقبالؒ)

سطور بالا پر غور کرنے سے یہ مطلب لازماً ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ کسی زمانے میں بھی کسی ذی شعور پر منشائے الٰہی گو مگو نہیں رہا۔ لہٰذا جہاں کہیں اور جب کہیں اسلامی اصول و ضوابط کی خلاف ورزی ہوئی ہے اس کا تعلق حرص و ہوا کے بھوتوں سے ہے جو ہم ضعیف البنیان انسانوں پر ہر وقت مسلّط رہتے ہیں اور ہم اپنی کوتاہ اندیشی نفع عاجل کی دھن اور جبلّی کمزوری کی بناء پر ان ابلیسی چھلاؤں کے سامنے فوراً ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور ہمت و صداقت سے باطل کا مقابلہ نہیں کرتے۔

میں اپنے آج کے زیر بحث عنوان کو مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں بیان کروں گا۔ تاکہ قارئین کرام اور متعلقین حضرات اپنی منصبی، نجی، انفرادی اور اجتماعی کوتاہیوں کو اپنی ہی حرص و ہوا کی طرف منسوب کریں اور کچھ غور و فکر کے بعد شاید ان کے قدم صراط مستقیم کی طرف اٹھیں۔

حضرات! اگر میں پاکستان کا وزیر اعظم ہوتا تو میرا انتخاب اسلامی نظریات کے مطابق ہوتا۔ میں ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر اس کو حسد سے قتل کرنے کی ناحق کوشش نہ کرتا اور نہ ہی فرعونی عزائم مجھ کو کسی

کلیم وقت کے مقابلے میں لاتے اور مجھ سے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا دعویٰ کرواتے۔ نہ ہی میں جمہوریت کا لبادہ پہن کر لاکھوں حسینوں رضؓ کو شہید کر کے یزیدی کرسی حاصل کرتا۔ بلکہ میرا انتخاب خالص اسلامی طریقے پر ہوتا کیونکہ زندہ قومیں حسنِ انتخاب سے ہی دنیا میں ہمسایہ طاقتوں پر سبقت لے جاتی ہیں۔ وہ کسی رہبرِ قوم، مجاہد ملت اور محبِ وطن کی تلاش میں سرگرداں پھرتی رہتی ہیں اور جہاں کہیں اُن کی نظریں ایسے افراد پر پڑتی ہیں تو وہ ان کی اندھادھند تقلید کرتی، برسوں کی راہیں گھڑیوں میں طے کرتی اور آخرکار منزلِ مقصود پر پہنچ جاتی ہیں۔

میں اپنے آپ کو وزارتِ عظمیٰ کے لئے خود پیش نہ کرتا بلکہ میرے پیشِ نظر خلفائے راشدین کا لائحہ عمل ہوتا کیونکہ ان کا انتخابِ خلافت اس حقیقت کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ کسی عہدہ کے لئے اپنے آپ کو خود پیش نہیں کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی ارشاد ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ امارت و حکومت کی خواہش نہ کر۔ اس لئے کہ اگر تجھ کو مانگنے سے حکومت ملی تو حکومت کے حوالے کیا جائے گا اور اگر بے مانگے ملی تو خدا کی طرف سے تجھ کو مدد دی جائے گی (بخاری ومسلم شریف) مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاۃ فصل اول)

تاریخ شاہد ہے کہ غلامانِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) برسوں سے دیکھ رہے تھے کہ صدق و صفاء، بذل و ایثار، رحم و شفقت، خدمتِ خلق، صبر و استقلال، جود و سخاوت اور حب اللہ اور حب الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہم پلّہ ساری امّت میں ایک شخص بھی نہیں۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کے اجماع نے یہ اہم ترین مسئلہ نہایت عقیدت سے دستِ بیعت بڑھا بڑھا کر دیکھتے ہی دیکھتے حل کر لیا اور یہی سلسلہ باقی راشدین المہدیین کے وقتوں میں قائم رہا۔ لیکن یزید کے شخصی انتخاب نے اسلام کے اس فطری اصول پر کاری ضرب لگائی اور قریب تھا کہ اسلام جیسے زندہ و تابندہ مذہب سے حسنِ انتخاب کا گرانمایہ جوہر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھن جاتا اور اس کی جگہ شخصی بربریت لے لیتی مگر بحمداللہ! عین مشیتِ ایزدی کے مطابق پروردۂ آغوشِ رسولؐ سوارِ دوشِ نبیؐ سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ جان و مال اور اولاد کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور دنیا والوں پر ثابت کر دیا کہ ؎

سرخیوں سے خون کی آتا ہے تاریخوں میں رنگ
کربلاؤں سے ہے دینِ مصطفٰی کی آبرو!

ہاں، ہاں حسینی اقدام احیائے دین کی خاطر تھا۔ لہٰذا خالقِ اکبر نے نواسۂ رسولؐ پاک کی اس مخلصانہ قربانی کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو محافظِ جمہوریت سمجھا گیا۔

ہم نے دیکھا کہ اس اموی خاندان میں مجدّدِ اوّل حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کا جب تختِ اموی کے لئے انتخاب ہوا۔ آپ نے مجمع عام میں اعلانیہ فرما دیا تھا کہ میں اس بارِ گراں کو اٹھانے کی اہلیّت نہیں رکھتا ہوں۔ لہٰذا کسی اور شخص کو اس کام کے لئے منتخب

کیا جائے مگر افراد مجمع نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ بوجھ فقط آپ کے ہی کندھوں پر رکھا جائے گا۔

یاد رہے کہ یہ تاریخی حقائق ہیں جن کو شمس و قمر کی تابندگی حاصل ہے اور جمہوریت کے اصول انہی واقعات سے منضبط کئے جاتے ہیں۔

آمدم بر سرِ مدعا! متذکرہ بالا نظریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر میں خلقِ خدا کی خدمت کے لئے منتخب کیا جاتا تو یہ رائے عامہ ہوتی جو مجھ کو اس منصب کا ذمہ دار بناتی۔ میں ان تمام چور راہوں ریاکاریوں، دغابازیوں، جھوٹے وعدوں پُرفریب اور نمائشی صداقتوں، رشوت ستانیوں اور دریوزہ گریوں سے کلیتہً اجتناب کرتا جو آج کل الیکشن کی کامیابی کے لئے نہایت کارگر ہتھیار سمجھے جاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی عرض کر دوں کہ ممکن تھا کہ میں کیمبرج یا لندن یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہوتا لیکن مجھ کو کتاب و سنت کی بھی پوری پوری واقفیت ضرور ہوتی۔ میں اپنے اعلیٰ خاندانی ہونے، چند عمارتوں، باغوں یا کارخانوں کا مالک ہونے کے فخر و زعم میں اپنے آپ کو وزارتِ عظمیٰ کا مستحق نہ سمجھتا۔ بلکہ اگر مجھ کو امارت و ثروت کے ساتھ جذبۂ خدمتِ خلق شام و سحر بے قرار رکھتا اور میں اپنی سابقہ زندگی میں غرباء، مساکین، یتامیٰ اور بیوگان کی بے کسی پر لاتعداد دفعہ آنسو بہا چکا ہوتا۔ اور میں نے ان کے دکھ درد میں شریک ہونا، غیر شعوری طور پر اپنا لائحہ عمل بنایا ہوتا اور اس کے ساتھ میرا دل و دماغ دکھیا انسانیت کو مصائب سے نکالنے کی فکر میں پورا انہماک رکھتا تو شاید میں خوفِ خدا سے رائے عامہ کو قبول کرتے ہوئے قلمدانِ وزارت کو سنبھال ہی لیتا۔ ؏

"قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں"

اب میں محولہ بالا صفات کا حامل ہوتے ہوئے ایک طرف تو حکومت کے تمام شعبوں پر ایک سیر حاصل نظر ڈالتا اور دوسری طرف اپنے مشیرانِ کار کا انتخاب اس تاریخی حقیقت کے پیشِ نظر کرتا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مردم شناسی کا یہ عالم تھا کہ آپ جس شخص کا انتخاب کسی عہدہ کے لئے کرتے تو اس کام کے لئے سارے عرب میں ان صلاحیتوں کا مالک اور کوئی متنفس نہیں ملتا تھا لہٰذا کسی وزیر کو کوئی رعائتی منصب نہ دیا جاتا۔ بلکہ اس کی دینداری، اہلیت، استعداد اور ذاتی تجربہ کا پورا پورا خیال رکھا جاتا اور ساتھ ہی حزب مخالف کے ساتھ میرے مشیر اس قدر مروّت، عزت افزائی اور شریفانہ برتاؤ روا رکھتے کہ چند دنوں میں ان کے مخاصمانہ جذبات حسنِ تعاون سے بدل جاتے پارٹی بازی کی کش مکش کو ختم کر کے یک جہتی، ناموسِ وحدتِ فکری، تعمیری رجحانات اور باہمی مروّت کیشی کا ماحول ہر قیمت پر پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی۔ میرے ہم خیال وزراء فلاح ملک و قوم سے سرشار نظر آتے وہ ذاتی اغراض کی تکمیل، رشتہ پروری اور جاہ طلبی کے لئے باؤلے ہو کر ایک دوسرے پر نہ جھپٹتے اور نہ ہی خفیف خفیف اختلافات پر اسمبلی میں جوتی بیزار ہوتے نہ سوقیانہ گفتگو اور آبرو ریزی جیسے اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوتے بلکہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی پیروی میں نہایت مہذبانہ بحث و تمحیص سے اپنے مسائل سلجھاتے حسب و نسب، ملّی امتیازات اور

صوبائی عصبیت کو زندگی کے کسی شعبے میں بھی درخورِ اعتناء نہ سمجھا جاتا بلکہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ پر عمل کیا جاتا ۔ المختصر! میرے شرکار فکر و عمل اسلامی جمہوریت سے واقفیت تامہ رکھتے اور اس پر بدل و جان عمل کرتے ۔ اور حکومت کرتے ہوئے بھی خدمتِ خلق سے سرشار ہوتے ؎

سروری در دینِ ما خدمت گری
عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری

اب میں آپ حضرات کے سامنے چند عزائم، دستوری اصلاحات اور ترمیمات پیش کرنے والا ہوں جن کی ترویج ملک و ملت کی سربلندی کا باعث ہو سکتی ہے اس سلسلے میں سب سے پہلے میری توجہ مملکت خداداد کے آئین و دستور پر مرکوز ہوتی ۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ گزشتہ حکومتوں نے ملک ہندو پاک میں طرح طرح کے اصول مرتب کئے اور ان کے مطابق حکمرانی کی ۔ ہندو راج سے قطع نظر، مغلیہ خاندان کا دَور دَورہ شخصی عملداری کا آئینہ دار تھا ۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جہاں بابر جیسے شیر دل جرنیل، ہمایوں جیسے حلیم الفطرت حکمران، شاہجہان جیسے نفیس مزاج دلدادۂ عجوبہ روزگار تاجدار، اورنگ زیب جیسے دلق پوش شہنشاہ موجود تھے وہاں جہانگیر جیسے شرابی کبابی اور محمد شاہ رنگیلے جیسے اوباش فطرت انسان بھی حکمرانوں میں نظر آتے ہیں ۔ مگر ہر دو نیک و بد طبقہ کا انتخاب اسلامی جمہوریہ کے خلاف ہوتا تھا تاج و تختِ حکومت میراث میں ملتا تھا ۔ خیر بنظرِ اختصار اُن ساری صدیوں کی شخصی حکمرانی کے بعد انگریزوں کا تسلّط ہوا ۔ تو ان کا دستورِ جہانداری مجھ سے نہیں بلکہ انگریزی عملداری کے ایک بہت بڑے نبّاض اور ملک ہند و پاک کے بہت بڑے حسّاس قلندر صفت شاعر سے پوچھئے ۔ اپنی مخصوص لَے میں نہایت مستی کے عالم میں فرماتے ہیں ؎

آ بتا دوں تجھ کو رمز آیۂ اِنَّ المُلوک
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

اور آگے چل کر فرماتے ہیں ؎

دیوِ استبداد ہے، نیلی قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

خیر! انگریزوں کی دنیاوی دانش مندی دراصل ساحری سے کسی طرح بھی کم ثابت نہ ہوئی پوری ایک صدی تک ہمارے آباء و اجداد پر انہوں نے حکومت کی ۔ اور ہمارے سامنے دستور و آئین کا ایک ایسا مخلوط ڈھانچہ پیش کیا کہ ہمارے مغرب زدہ نوجوانوں نے اس کو دورِ حاضرہ کی الہامی کتاب سمجھ کر سر آنکھوں پر جگہ دی ۔ بعض علماء نے اس کی ہر جزو کو اسلام کے خلاف قرار دیا ۔ حالانکہ اس میں لارڈ کارنوالس کے عہد میں بعض اسلامی دفعات بھی شامل کی گئی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ پنڈت جی کی ٹر اور مسیحی مفکرین کے خانہ ساز اصول و ضوابط بھی موجود تھے ۔ القصّہ! ان آئینی تنقیدات سے میری مراد یہ ہے کہ میرے افراد ملک و ملّت کو عرصہ دراز سے قوانین محمدیّہ سے واسطہ ہی کم پڑا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کم سمجھوں نے اسلامی دستور کی بعض دفعات مثلاً قطع ید اور سنگساری وغیرہ کو بدوی تہذیب کی یادگار بتایا اور لادینی کی یہ آواز حلقۂ خاص سے فضائے عام میں گونجی اور سارا پاکستان ان آوازوں سے بھر گیا "اسلامی حکومت کا تصوّر ہی غیر ممکن ہے ۔

آہستہ آہستہ اسلامی ماحول پیدا کرنا چاہئے" — "جب چودہ سو برس میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تو اب کیسے ہو سکتی ہے؟" ——— خیر مضیٰ ما مضیٰ! اگر میں وزیراعظم ہوتا تو سب سے پہلے جو فقرہ باشندگانِ پاکستان میری زبان سے سنتے وہ یہ ہوتا ؎

طرزِ جمہوری نہ شانِ کجکلاہی چاہئے
جس کے بندے ہیں اسی کی پادشاہی چاہئے

اب ایک معترض کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ میں روس و امریکہ، برطانیہ اور فرانس جیسی مستحکم سلطنتوں کے دستور کو کیوں ناقابلِ عمل سمجھتا ہوں تو اس وقت میرے ذہن میں یہ جواب پیدا ہوتا ہے ۔ کہ مذہب اسلام اس مجموعہ قوانین کا نام ہے جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تشریح موجود ہے اور دنیا کا کوئی مذہب اور کسی ملک کا کوئی بھی کوڈ ایسے زریں اصول پیش نہیں کر سکتا ۔ کیوں کہ اسلام نے حاکم و محکوم اور مسلم و ذمی کے حقوق کے ساتھ انسانی زندگی کے اقتصادی، تمدنی، معاشرتی عدالتی، نجی، فوجی، انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی تعلقات کو نہایت نمایاں طور پر بیان کیا ہے اور اس کے انصاف پرور دفعات میں ملکی اور نسلی تعصّبات کا شائبہ تک بھی موجود نہیں بلکہ انسانی برادری، مساوات، اخوّت اور حسنِ مروّت کی تعلیم پائی جاتی ہے اس دستور کی ہر تعزیر مجرم کے حق میں آیۂ رحمت کا حکم رکھتی ہے ۔ اور اس کا ہر حکم فلاحِ دارین کا ضامن ہے ۔ اس کے ظاہری ضرر میں منفعت سرمدی کی ایک دنیا آباد ہے ۔ کیونکہ یہ خالقِ کائنات کا آئین ہے اس میں انسانی لغزشوں اور خود غرضیوں کا کوئی امکان نہیں ۔ اقبال مرحوم نے سچ کہا ہے ؎

وحیٔ حق بینندۂ سودِ ہمہ!
در نگاہش سود و بہبود ہمہ!

دوسری جگہ کہا ہے ؎

رسم و راہ و دین و آئینش زحق
زشت و خوب و تلخ و نوشینش زحق

گویا مسلمان وزیر اعلیٰ کا عمل لازماً اَلحُبُّ لِلّٰہِ وَالبُغضُ فِی اللّٰہِ کا مصداق ہوتا ہے ۔ ایک اور جگہ حکمرانوں کو اپنے مخصوص انداز میں یوں بیدار کر رہے ہیں ؎

زیرِ گردوں آمری از قاہری است
آمری از ما سوَ اللہ کافری است

اخیر میں فرنگی نظامِ جمہوریت پر چند خون کے آنسو بہاتے ہیں ؎

وائے بر دستورِ جمہورِ فرنگ
مُردہ تر شُد مُردہ از صُورِ فرنگ

فرنگی حکومت کے وزراء کے متعلق ان کا ایک مصرعہ نفسیاتی لحاظ سے لعل و جواہر سے بھی زیادہ گراں قیمت ہے فرماتے ہیں ۔ ع

ہر زماں اندر کمینِ یک دِگر

یعنی ان کو ملک کی فلاح و بہبود پیشِ نظر نہیں بلکہ پارٹی بازی کا ہر لمحہ خیال رہتا ہے لہٰذا میں ان نظائر و بصائر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سب سے پہلے مملکت خداداد کے آئین کا دار و مدار بلا تردّد و تاخیر کتاب اللہ و سنّت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رکھتا اور پروردگار عالم کے فضل سے توقع رکھتا کہ میرا وطن چند دنوں میں امن و آشتی اور استحکام و آسودگی کا گہوارہ بن جائے گا اور باقی ممالک کے لئے ایک عالمگیر امن کا مثالی علمبردار ہوگا ۔

(جاری ہے)



آپ کے خطوط

• بیوہ خواتین کو گین ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے
• قومی خزانہ کو نقصان پہنچنے کے امکانات کو ختم کیا جائے
• جائیداد کی خرید و فروخت کے لیے گین ٹیکس کی شرح کم کی جائے

محترم المقام جناب ایڈیٹر صاحب
ہفت روزہ خدام الدین، لاہور

عوام کو زبردست شکوہ ہے کہ اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان میں جائیداد کی خرید و فروخت پر (غیر شرعی) گین ٹیکس کی شرح بہت زیادہ ناقابلِ برداشت اور ایمان سوز ہے جو فروخت کنندہ کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ دس ہزار روپیہ مالیت کے سودا پر گین ٹیکس معاف ہے اگر لاکھ دو لاکھ سودا ہو تو دس دس ہزار کی دس یا بیس رجسٹریاں کرانے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ متعلقہ عملہ ثبوت ملنے پر فروخت کنندہ کو نوٹس جاری کرتا ہے اور وہ بے چارہ بھاگ دوڑ کرکے سودا بازی، سفارش یا جرمانہ وغیرہ کی ادائیگی کے بعد گلو خلاصی کرا سکتا ہے۔ عوام الناس کی نگاہ میں گین ٹیکس رشوت کا چور دروازہ ہے۔ متعلقہ حکام و افسران مجاز کو اس مسئلہ پر گہری تحقیق توجہ غور اور مشورہ کرکے مناسب اور مؤثر اقدام کرنا چاہیئے۔ مروجہ صورتِ حال میں قومی خزانہ کو زبردست نقصان پہنچنے کا احتمال یقینی ہے۔ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت پڑتی ہے اور لعنت کے معنیٰ رحمت سے دُور ہونا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سچ میں نجات اور جھوٹ میں تباہی ہے لہٰذا مسلمانوں مسلمانوں کو جھوٹ سے سخت نفرت اور پرہیز لازمی ہے۔ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت جان مال اور آبرو کا تحفظ نیز ہمہ قسم برائیوں رشوت وغیرہ کا انسداد مومن حکمران کے لئے اہم دینی فریضہ ہے۔ اور فرض کی ادائیگی کسی پر احسان بھی نہیں ہے۔ حق تو یہ ہے کہ انسانی ہمدردی کے تحت بدنصیب بیوہ خواتین کو مذکورہ گین ٹیکس سے کلیۃً مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ بعض لوگ اپنی ذاتی ملکیہ جائیداد فروخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور کچھ خریدار بھی سودا طے کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ لیکن طے شدہ پوری قیمت کی رجسٹری کرانے سے گریز کرتے ہیں۔ کورٹ فیس، وثیقہ نویس، رجسٹریشن فیس اور متعلقہ افراد کی "جبری مٹھائی" وغیرہ کے کمر توڑ اخراجات طبیعت پر ناگوار گذرتے ہیں۔ خریدار حضرات ویلتھ ٹیکس کی تیز دھار چھری سے بچنے کے لئے کم از کم رقم کی رجسٹریاں کرانے کی شرط عاید کرتے ہیں جبکہ فروخت کنندگان اپنی جائیداد معقول قیمت پر فروخت نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان ہیں۔ لہٰذا اس قانونی اور معاشرتی مسئلہ کے معقول حل کے لئے دانشوران قوم کو دعوتِ فکر ہے۔

خلفائے راشدہ کا معاشی نظام اور آئمہ کرام کا کردار

تحریر: علامہ یوسف جبریل

اسلام کے معاشی نظام کی تاریخ میں محیر العقول استعداد کے مالک فقید المثال اساتذہ کے معاشیاتی شاہکار نظر آتے ہیں۔ ایسے شاہکار بالعموم آئمہ فقہا کی مجتہدانہ کاوشوں کا نتیجہ ہیں مگر ہم متاسفانہ دیکھتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے انہدام اور سرمایہ دارانہ ملوکیت کے قیام نے مسلمانوں کے ذہنی، فکری اور معاشی دھارے پلٹ کر رکھ دیئے مسلمانوں کے معاشی نظام سے اسلامیات یکسر غائب ہو گئی۔ اور اس سے بڑھ کر مقام افسوس اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہی چاروں آئمہ جن کی تقلید روئے زمین کے سارے مسلمان کرتے ہیں اور کتاب و سنت کے بعد انہیں کے فرمودات کو قابلِ قبول سمجھتے ہیں۔ اسلامی معاشیات کے میدان میں کچھ اس طرح نظر آتے ہیں۔ گویا کہ سوائے فروعی مسائل کے فتووں کے، بنیادی مسائل پر انہوں نے کبھی کچھ کہا ہی نہیں۔ اور ان کے معیشت سے متعلقہ فتوے تاریخ کے اوراق کے دبیز پردوں سے جھانکتے ہوئے آئندہ آنے والی نسلوں کی آنکھوں میں بے بسی سے دیکھتے رہے۔ مگر آنے والے ایک ایک کرکے کمال بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوتے گئے۔ اور آج بھی ہندو پاکستان میں مزارعت کی وہ شکل جس کی حرمت کے متعلق حضرت امام ابو حنیفہؒ کا صریح ترین فتویٰ موجود ہے۔ امام مذکور کے پیروکار اس بے اعتنائی سے اپنائے ہوئے ہیں۔ کہ گویا امام سے انہیں دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ خلافتِ راشدہ کی رحلت اور سرمایہ دارانہ ملوکیت کے اجراء کے بعد شاہان و سلاطین نے نظامِ معیشت پر کچھ اس طرح سے قبضہ کر لیا اور معیشت کی اسلامی قدروں کو کچھ اس طرح فراموش کر دیا کہ جہاں تک نظامِ معیشت کا تعلق ہے۔ علماء و فضلاء کلیتہً اس سے کٹ گئے۔ اور اس موضوع پر تمام تر تحقیق و جستجو کے تمام سلسلے بند ہو گئے۔ اسلامی روحِ معیشت کا کوئی متلاشی نہ رہا۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ اسلامی نظامِ معیشت کی وہ عمارت جس کی بنیاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی۔ اور جس پر کچھ تعمیر حضرت عمرؓ کے دَور تک ہوئی تھی۔ اس طرح چھوڑ دی گئی کہ اس عمارت کے چاروں ستون یعنی "عفو"، "مساوات"، "اخوت" اور "حریت" اور اس کے چھت کا سامان یعنی "دولہ" عمارت کے پاس میدان میں پڑے چھوڑ دیئے گئے۔ حتیٰ کہ زمانے کے غبار نے رفتہ رفتہ ان کو گرد سے ڈھانپ کر دنیا کی نظروں سے ڈھانپ دیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ آج بعض لوگ یہاں تک کہتے سُنے جاتے ہیں کہ اسلام کے پاس معاشی نظام سرے سے ہے ہی نہیں۔ تفو بر تو اے چراغِ نیلی تفو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔ اسلام کا لاجواب اور بے نظیر معاشی نظام موجود ہے۔ اسے دیکھنے والی نگاہ چاہیئے۔ اور ڈھونڈنے والی آنکھ چاہیئے۔ آج صدیوں کے مسلمانوں کو اس نظام کی تلاش ہوئی۔ دیکھئے یہ نظام ملتا ہے یا نہیں۔

اسلام کا معاشی نظام ایک

ایسے نامکمل تشکیلی مرحلے پر ترک کر دیا گیا کہ آج اقصائے عالم میں اسلام کے نام پر جو معاشی نظام رائج ہے۔ اس کا تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ وہی حاصل ہوتا ہے جو بدترین قسم کی سرمایہ داری کے تجزیئے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر ہم ایسے نظام کو اشتراکیت کے اقتصادی نظام کے سامنے رکھنے کی جرأت کریں۔ تو ہمیں اس سے کہیں زیادہ شرمندگی حاصل ہوتی ہے۔ جو سرمایہ دارانہ نظام کو اشتراکیت کے اقتصادی نظام کے سامنے رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اسلامی نظام اور اشتراکیت کے اقتصادی نظام، اسلامی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام کی تفریق کو نمایاں کرنے کے لیے ہمیں اسلام کے معاشی نظام کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہوگا اور اسے صحیح اسلامی رنگ دینا ہوگا۔ "عفو"، "مساوات"، "اخوت"، "حریت" اور "دولۃ" کے کماحقہٗ نفاذ کے بغیر ہمارا نظام یا تو سرمایہ دارانہ ہوگا۔ یا پھر دوسری جانب اشتراکیت ہی ہوگی۔ نام کا کیا ہے۔ ہم چاہیں جس نام سے اسے پکارتے رہیں۔ البتہ "نام زنگی نہند کافور" والا معاملہ ہوگا۔ اسلامی نظامِ معیشت کے یہ پانچوں اصول یعنی عفو، مساوات، اخوت، حریت اور دولۃ ہی اسلامی نظامِ معاش کے نمایاں پہلو ہیں۔

ہمارے اس وطنِ عزیز میں عجیب چیزیں رونما ہوئی ہیں۔ جہاں ایک طرف پانچ کروڑ انسانوں کا اوڑھنا بچھونا ہی اسلام ہے۔ اور اسی مضمون پر اخباروں اور رسالوں میں بے پناہ خامہ فرسائی ہو رہی ہے۔ جلسوں اور جلوسوں میں تقریر کا موضوع یہی تکرار رہ گئی ہے۔ وہاں دوسری طرف ہم بصد افسوس یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کا حقیقی نظام ہنوز پردہ اخفا میں ہے۔ اور جہاں بے شمار سیاسی جماعتوں کے شور و غوغا نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے۔ وہاں اس ملک کی کسی ایک سیاسی پارٹی نے بھی کوئی منشور ایسا پیش نہیں کیا جس سے اسلامی نظامِ اقتصادیات کی تصویر سامنے آئے۔ سیاسی منشور کیا ہیں۔ تجویزوں کی فہرستیں ہیں۔ وعدوں وعید کی دستاویزیں ہیں۔ لیکن اسلامی مزاج کو مَس تک نہیں کیا گیا۔ اسلامی نظامِ معاش کی کوئی بنیادی جامع صورت کسی طرف سے پیش نہیں کی گئی۔

ہمیں یقین ہو چکا ہے کہ ہماری تمام جملہ خرابیوں کی جڑ غلط اور غیر اسلامی نظامِ معاش ہے۔ اس لیے ہمیں یہ تہیہ کر لینا چاہیئے کہ صحیح اسلامی نظامِ معاش تلاش کر کے اسے فوری طور پر اور کاملاً نافذ کرنا چاہیئے۔ اور کسی خود غرض کی غرض یا طامع کا طمع اس راہ میں حائل نہ ہو۔ کیا وجہ ہے کہ باوجود دلی خواہش کے ہم جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہیں نہیں کر سکتے۔ یہ کہ ہماری موجودہ زبوں حالی کا سبب کیا ہے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے معاملے میں ہمارا ایمان کمزور ہے۔ آخر ہم میں اور ہمارے اسلاف میں کیا فرق ہے۔ کہ قرونِ اولٰے کے مسلمانوں کے مسائل نہایت آسانی سے حل ہوتے چلے جاتے تھے۔ اور ہم ہیں کہ چیونٹی جتنے مسائل ہمارے لیے ہاتھی بن رہے ہیں۔ تجزیہ یہ بتاتا ہے کہ ہم میں اور ہمارے اسلاف میں یہی فرق ہے کہ جہاں ہمارا ایمان قیامت کے معاملے میں اسقدر ضعیف ہے کہ ہمارے ایمان کے سورج کی شعاعیں ہمارے مسائل کی کہر کو نہیں اڑا سکتیں۔ جبکہ ہمارے اسلاف کا ایمان پہاڑ کی طرح اٹل تھا۔ اس لیے ان کے ارادے کے مقابلے میں پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے تھے۔ یہی صورت موت کے معاملے میں ہے۔ جہاں ہمارے اسلاف کی نگاہوں کے سامنے موت ہر وقت موجود رہتی تھی۔ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ حرص اور طمع کے ساتھ ساتھ مسائل کا دباؤ اس دورِ جدید میں کچھ اسقدر شدت اختیار کر گیا ہے

(باقی ۲۹ پر)

قرآن پاک کا جاپانی ترجمہ

دورِ حاضر کے جاپانی مسلمانوں میں حاجی عمر میتا کا نام سب سے زیادہ معروف ہے۔ آپ مغربی جاپان کے ایک عسکری قبیلے میں ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے، سلسلۂ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ چین گئے۔ علم طب سے انہیں کچھ واقفیت تھی، چین میں ان کا چینی مسلمانوں سے کافی میل جول رہا، کالج کے زمانے میں میتا نے پہلے جاپانی حاجی عمر یاماؤکا کی سفرِ حج پر لکھی ہوئی کتاب پڑھی تو انہیں اسلام کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا جو چین میں جا کر پورا ہوا۔ چین ہی میں پیکنگ کی مسجد میں ۱۹۴۱ء میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور عمر میتا کہلانے لگے، تیس سال چین میں رہ کر وہ ۱۹۴۵ء میں واپس جاپان گئے ۱۹۵۲ء میں ساٹھ سال کی عمر میں انہوں نے تمام دوسری مصروفیات ختم کر کے اپنے آپ کو اسلام کے لیے وقف کر دیا۔

۱۹۶۰ء میں صادق ایمائزومی کی وفات پر حاجی عمر میتا جاپان مسلم ایسوسی ایشن کے صدر بنے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ جاپانی میں مکمل اور مستند ترجمہ قرآن کی اشاعت ہے۔

یہ ترجمہ ایک عظیم کام تھا جو ابوبکر موری موٹو کے تعاون سے بارہ سال کی طویل محنت کے بعد ۱۹۷۲ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا، اس سے قبل حاجی میتا جاپانی زبان میں دو کتابیں "اسلام کا تعارف" اور "اسلام کی تفہیم" لکھ چکے تھے۔ حضرت مولانا محمد زکریا کی مشہور کتاب "حکایاتِ صحابہ" کا حاجی عمر میتا نے جاپانی ترجمہ کیا۔ اس کے بعد وہ بہت سرگرمی کے ساتھ قرآن پاک کے ترجمہ میں مصروف ہو گئے۔

۱۹۶۳ء میں حاجی عمر میتا کار میں مدینہ سے مکہ آ رہے تھے۔ انہوں نے احرام باندھ رکھا تھا۔ بدر کے قریب ایک حادثے کی وجہ سے کار الٹ گئی۔ حاجی میتا کو بہت چوٹیں آئیں اور دیر تک وہ ہسپتال میں زیر علاج رہے۔

زخموں سے شفایاب ہو کر حاجی میتا واپس جاپان گئے اور ترجمہ القرآن چھپوانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ خوش قسمتی سے ان کی ملاقات ۱۹۰۰ء میں ابوبکر موری موٹو سے ہو گئی، جو ماہرِ فنِ طباعت ہیں۔ جون ۱۹۷۰ء میں حاجی عمر سعودی عرب گئے ان کے پاس جاپانی ترجمہ قرآن کے نمونے کے مطبوعہ صفحے بھی تھے، اور پورا ترجمہ بھی رابطۂ عالمِ اسلامی نے ماہروں کی ایک کمیٹی مقرر کر کے ترجمہ پر پھر نظرِ ثانی کروائی اور چھ ماہ کے بعد اشاعت کے لیے منظور کر لیا۔ آخر کار ۱۹۷۲ء میں قرآن پاک کا یہ ترجمہ شائع ہوا۔ حاجی عمر کو اس پر محنت کرتے ہوئے بارہ برس ہو گئے تھے اور اب وہ ۸۲ برس کی عمر کو پہنچ چکے ہیں۔

جاپان کے مشہور نومسلموں میں ٹوکیو کا ایک نامور معالج ڈاکٹر فتاکی اور اس کا خاندان بھی شامل ہے انہیں نے ٹوکیو مسجد کے امام عین الصفا اور ابوبکر موری موٹو کی تبلیغ کے نتیجہ میں ۱۹۷۴ء میں اسلام قبول کیا، اس کے کلینک کے تمام ملازمین اور دوست احباب بھی مسلمان ہو گئے جن کی مجموعی تعداد ۸۱ تھی۔ ڈاکٹر شوقی فتاکی نے جاپان اسلامک کانگرس کی بنیاد رکھی جس کے ارکان کی تعداد تھوڑے ہی عرصہ میں ایک ہزار سے تجاوز کر گئی۔ ڈاکٹر شوقی نے عالمِ اسلام کے بہت سے اکابر سے رابطہ

قائم کیا۔ اور سعودی عرب، کویت، لیبیا، الجزائر وغیرہ کا دورہ کیا۔ وہ اپنی پریکٹس کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کا فرض بڑی مستعدی سے ادا کر رہے ہیں، اور ہر سال حج کے موقعہ پر جاپانی مسلمان ڈاکٹروں کی ایک ٹیم حجاج کی خدمت کے لیے سعودی عرب بھیجتے ہیں۔

۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر شوقی فتاکی نے ٹوکیوں میں چھ سو مسلمانوں کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا جو بہت کامیاب رہی۔

فن طباعت کے ماہر جاپانی مسلمان بزرگ ابوبکر موری موٹو اپنا سہ ماہی رسالہ "اسلامک کلچر فورم" شائع کرتے ہیں۔

الحاج محمد مصطفےٰ کمورا کا دیرینہ خواب ۱۹۷۷ء میں اوساکا شہر میں نئی مسجد کی تعمیر کی صورت میں پورا ہوا۔ مسجد کے ملحقہ کمروں میں اسلامی درس و تدریس کا کام ہوتا ہے۔ جاپان جانے والی تبلیغی جماعتیں اکثر وہیں ٹھہرتی ہیں۔ اس سے قبل وہ رابطہ عالم اسلام کی دعوت پر مکہ شریف گئے اور حاجی میتا کے ساتھ ترجمہ قرآن پر کام کرتے رہے۔ اسی زمانے میں حج کی بھی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۷۴ء میں ایک وفد لے کر شرقِ اوسط کے ملکوں کا دورہ کیا۔

مئی ۱۹۷۱ء میں شاہ فیصل مرحوم جاپان گئے تو ٹوکیو مسجد میں ان کا استقبال پروفیسر عبدالکریم سیتوہ نے کیا۔ وہ جاپان کی بارہ اسلامی انجمنوں کے رابطہ افسر تھے، انہوں نے بہت سے جاپانی طلبہ اسلامی ملکوں میں اسلامیات کی تعلیم کے لیے بھیجے۔ اور دس ہزار مربع میٹر زمین خرید کر مسلم قبرستان کے لیے وقف کی۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو اسلامی تعلیم کے لئے مدینہ یونیورسٹی میں بھیجا۔

ٹوکیو مسجد شہر کے جنوب میں واقع ہے۔ شمالی اور مشرقی علاقوں کے مسلمان نماز جمعہ کے لیے وہاں نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ ایک گھنٹہ سے زیادہ کا سفر ہے پھر ملازمت پیشہ لوگوں کو نماز کے لیے چھٹی نہیں ملتی۔ حال ہی میں ایک اولوالعزم نومسلم محمد داؤد سوادا نے شہر کے شمال مشرقی علاقہ میں ایک پانچ منزلہ عمارت میں اسلامی مرکز قائم ہے۔ یہ فاتحہ بلڈنگ کہلاتی ہے۔ سوادا نے ایک اسلامی ادارہ "فاتحہ فاؤنڈیشن" قائم کیا ہے جس کے اکیس شعبے تجارت، معاشرتی بہبود، سفر، نوجوانوں، بچوں، عمر رسیدہ لوگوں، تعمیرات، ٹکس بانی، معدنی پانی وغیرہ کے متعلق قائم کر رکھے ہیں، اس مرکز میں نماز جمعہ کا اجتماع باقاعدگی سے ہوتا ہے۔ یہ مرکز اینو محلہ میں واقع ہے۔

سوادا نے اطلاع دی ہے کہ وہ جلد از جلد ٹوکیو میں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کر کے دکھائیں گے۔ شروع میں عربی زبان، فقہ، حدیث، تاریخ اور سیرت وغیرہ کے شعبے ہوں گے بعد میں میڈیکل زراعت، سائنس، تعلیم وغیرہ کے ڈیپارٹمنٹ بھی کھولے جائیں گے، جہاں دوسرے ملکوں کے طلبہ بھی داخل کیے جائیں گے جو خالص اسلامی ماحول میں تعلیم پائیں گے بقول سوادا صاحب ان کے اسلامی اداروں میں مسلمانوں کی موجودہ تعداد دس ہزار کے لگ بھگ ہے۔

محمد سوادا صاحب بہت زیادہ پرجوش مسلمان معلوم ہوتے ہیں، وہ ایک تحریک "اللہ اکبر ۵ کروڑ" کے نام سے بھی چلا رہے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ کم از کم پانچ کروڑ جاپانی لوگوں کو حلقۂ اسلام میں شامل کر لیا جائے۔ فاتحہ بلڈنگ میں آ کر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد حوصلہ افزا ہے۔ اب وہ ٹوکیو شہر میں "قرآن انسٹی ٹیوٹ" قائم کر رہے ہیں۔

تھائی لینڈ کے ایک نوجوان مسلمان عبدالسلام پریدا نے جاپان کی ایک یونیورسٹی سے زرعی معاشیات میں پی ایچ ڈی کیا ہے۔ وہ اب ایک کالج میں پڑھاتے ہیں، وہ مختلف جاپانی درسگاہوں میں مسلمان طلبہ کا بہت خیال رکھتے ہیں اور موقع پانے پر مسلمان طلبہ سے ملتے رہتے ہیں۔ ان کی مساعی سے مختلف ملکوں کے مسلمان طلبہ مل کر نماز جمعہ کا اہتمام کرتے ہیں، اور اپنے لئے حلال گوشت کا انتظام کرتے ہیں۔ اس قسم کی کوششیں مسلمان طالب علموں کے لیے بہت سودمند ثابت ہو رہی ہیں۔

یادِ رفتگاں

تحریر: محمد یوسف عباسی

ایک روحانی شخصیت حاجی فیض رسول جی مرحوم

۲۸ دسمبر ۱۹۸۴ء مطابق ۴ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ بروز جمعۃ المبارک ہمارے والد گرامی حاجی فیض رسول جی کا تقریباً ۸۵ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

والد مرحوم حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے۔ اور حضرت سے دینی تعلق کا اُن پر ایک نمایاں اثر یہ تھا کہ والد صاحب کا اپنا بیان ہے کہ اگر کسی دن سحری کے وقت اُٹھنے میں معمولی سی تاخیر ہو جاتی ہے تو خواب میں حضرت لاہوریؒ نظر آتے ہیں اور آپ اُس لباس میں دکھائی دیتے ہیں جو سردیوں میں سیاہ جُبّہ اور عمامہ پہنا کرتے تھے۔ اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ میاں جی دیر ہو رہی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ قطب زماں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، والد مرحوم کو میاں جی ایبٹ آباد والے کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ والدِ گرامی کا دینی تعلق ۱۹۵۹ء میں حضرت لاہوریؒ سے ہوا یہ تعلق مولانا علی اصغر عباسی کے ذریعے سے ہوا تھا۔ یوں ہی ہماری والدہ مرحومہ کا بھی حضرتؒ سے بیعت کا تعلق تھا اور بھائی صاحب مولانا علی اصغر عباسی تفسیر میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے شاگرد ہیں۔

حضرت لاہوریؒ کی وفات کے بعد پریشانی کی حالت میں والد مرحوم نے خواب دیکھا کہ وہ ایک مسجد میں حضرتؒ کے ساتھ بیٹھے ہیں کہ ایک دوست نے پوچھا کہ جی صاحب آپ یہاں کب تشریف لائے؟ والد صاحب فرماتے تھے کہ میرے جواب سے پہلے ہی حضرتؒ نے خود ہی جواب دیا۔ کہ میں نے میاں صاحب کو سحری کے وقت جگایا تھا۔ پھر یہ نہیں سوئے۔ ایک جیّد عالم دین (والد صاحب کے چھوٹے بھائی) مولانا عزیز الرحمٰن نے اس خواب کی یہ تعبیر دی تھی کہ سحری کے وقت سے عمر کا آخری حصہ مراد ہے جب کہ جگانے کا مطلب اللہ اللہ کرانا ہے۔ اور نہ سونے سے مراد عملی زندگی ہے۔

حال ہی میں چند ماہ قبل ایک دن میرے بڑے بھائی مولانا علی اصغر سے والد مرحوم نے فرمایا کہ گذشتہ رات خواب میں دیکھا کہ ایک خوبصورت جرنیلی سڑک پر حضرت لاہوریؒ چل رہے ہیں اُس بڑی سڑک کے ساتھ فٹ پاتھ کے انداز میں چھوٹی سڑک ہے جس پر میں چل رہا ہوں۔ دونوں سڑکوں کے درمیان ایسی رکاوٹ کھڑی ہے کہ جس کو آسانی سے عبور نہیں کیا جا سکتا۔ تھوڑی دیر یوں ہی چلتے رہے آخر کار میں نے بڑی سڑک پر حضرت لاہوریؒ کی طرف جانے کے لیے چھلانگ لگا دی اور حضرت لاہوریؒ کے ساتھ جا کر کھڑا ہو گیا۔ تو حضرتؒ نے مسرت کے ساتھ میری طرف دیکھتے ہوئے دو دفعہ فرمایا۔ میاں جی کامیاب ہو گئے ہو۔

ایک خواب وفات سے چند روز پہلے سُنایا کہ ہماری والدہ مرحومہ والد مرحوم سے فرما رہی ہیں کہ آپ کا گھر بڑا خوبصورت ہے آپ اُس میں کیوں نہیں آتے؟ اس کے بعد والد صاحب ۲۰ یوم مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ والد مرحوم گذشتہ ۲۵ سال سے سردیوں میں لاہور میں مولانا علی اصغر عباسی کے

ہاں قیام فرماتے تھے۔ جبکہ گرمیوں میں اپنے آبائی گاؤں ایبٹ آباد کے قریب پانڈہ پیر خان چلے جاتے تھے۔ لاہور کے قیام کے دوران شیرانوالہ جمعرات کی مجلسِ ذکر میں پابندی سے جایا کرتے تھے۔ حضرت لاہوریؒ کے بعد جانشین حضرت شیخ التفسیر مولانا محمد عبیداللہ انور کی مجلسِ ذکر میں بھی یہ پابندی قائم رہی۔ صرف وفات سے ایک سال قبل چوری کی وجہ سے جمعرات کی مجلسِ ذکر میں نہیں جاسکے۔ والد صاحب مرحوم نے یہ مجلسِ ذکر اپنے گاؤں کی مسجد میں بھی تا دم حیات جاری رکھی۔

والد صاحب کا تعلق ایک علمی اور روحانی گھرانے سے تھا۔ والد صاحب کے دادا حضرت محمد علی جیؒ وفات تقریباً ۱۸۹۰ء ایک عالم باعمل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اور والد صاحب کے والد گرامی حضرت مولوی محمد حسین جی بڑا جی علاقے کی ایک روحانی شخصیت تھی۔ آپ کا انتقال ۱۹۷۴ء میں تقریباً ۱۱۵ سال کی عمر میں ہوا۔

والد صاحب کے چھ بھائی ہیں اور بحمد اللہ سب ہی تا دم تحریر حیات ہیں۔ ان میں دو بزرگ مولانا عزیز الرحمٰن اور مولانا خلیل الرحمٰن (خطیب پانڈہ پیر خان ایبٹ آباد ہزارہ) عالم دین ہیں۔

والد صاحب کی اولاد میں مولانا علی اصغر عباسی صوبائی خطیب پنجاب وخطیب جامع مسجد نیلا گنبد لاہور عالم دین ہیں۔ موصوف استاذ کل حضرت علامہ مولانا محمد رسول خان صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانیؒ کے شاگرد ہیں۔ جبکہ ان کی پہلی بیعت حضرت پیر کامل مولانا محمد رسول خان صاحبؒ سے تھی اور ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے سلسلہ قائم کیا۔ اور والد صاحب (حاجی فیض رسول جیؒ) کے دیگر صاحبزادوں میں جناب عبدالعزیز عباسی، جناب محمد صادق عباسی ایبٹ آباد کے علاقے میں ایک سماجی کارکن ہیں۔ اور علاقے میں جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ اس کے علاوہ سب سے چھوٹا بیٹا محمد یوسف عباسی ہے۔

والد مرحوم کے پسماندگان میں ان کے علاوہ، پوتے اور ایک پڑپوتا ہے۔

والد کی وفات پر گذشتہ دنوں صاحبزادہ مولانا فضل الرحیم جامعہ اشرفیہ لاہور کے زیر اہتمام قرآن خوانی ہوئی۔ پھر خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب جامعہ رحمانیہ قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں، جامعہ عربیہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں، بادشاہی مسجد لاہور میں، جامعہ فرقانیہ کوہاٹی بازار راولپنڈی میں اور جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب طلبا اور اساتذہ کرام نے فاتحہ خوانی کی اور حاجی فیض رسول جیؒ کے لیے دعائیں فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر نصیب فرمائے اور ہم پسماندگان کو والد گرامی کی خیر و برکات کا وارث بننے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

بقیہ: خلفاءِ راشدہ کا ......

کہ انسان کو موت بھول چکی ہے۔ اس دور کے انسان حالتِ نزع میں بھی انہیں مسائل میں اُلجھے رہتے ہیں۔ قیامت کا قطعاً کوئی خیال ان کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ اور اگلے جہان میں انہیں مسائل کا زادِ راہ لے کر جاتے ہیں۔ کسی کو اس قدر فرصت یا فراغت مہیا نہیں کہ لمحہ بھر بیٹھ کر گئے وقتوں کی یادوں میں کھو سکے۔ یا بچھڑے ہوؤں کے اداس چہروں کو یاد کر سکے۔ بہر حال خود کردہ را علاجے نیست۔

دوسرے سوال کا سیدھا سا جواب ہے۔ یعنی یہ کہ ہماری اس قدر زبوں حالی اور نگوں ساری کا واحد موجب غلط اور غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی اور ظالمانہ نظام معاش ہے۔ اور صحیح نظام معاش لوگوں کے ذہن سے بعید ہو رہا ہے۔ اور جس قدر معلوم ہے۔ اس کے